www.naushahidynasty.com

ہاشم شاہؒ:

دیپک دیکھ جلے پروانہ ایہنے ایہہ کیہ مذہب پچھاتا (1)
عاشق دین نہ مذہب رکھدے ایہناں درد خدا کر جاتا
جن ایہہ علم بھلایا دل توں اُن لدھا یار گواتا
ہاشم تنہاں رب پچھاتا جیہناں اپنا آپ پچھاتا

○

نہ کجھ مِتھی نہ مِتھ لے ٹریا ، اسیں ٹور دتے ٹر آئے (2)
بیتن جوگ نہ مِتھ کے بیتے اُن آپے جا بہائے
کجھ معلوم نہیں ایہہ حکمت ، مڑ کیتول ٹور لے جائے
ہاشم آپ کرے سب کاراں وچ حکمت اسی بنائے

○

رانجھا ہیر نے رب کر جاتا لوک دے نصیحت تھکے (3)
آوا درد چکیٹے آکھن مینوں خویش قبیلہ سکّے
کعبہ تخت ہزارہ مائے لوک ٹر ٹر جاون مکّے
ہاشم آکھ ہٹایو نہ سانوں اگے ملن چو پھیریوں دھکّے

کر کر سمجھ رہیا وچ حیرت مینوں دل دا بھیت نہ آوے (4)
کدی تاں تخت بہے بن حاکم اتے کدی کنگال کہاوے
کدی بخت بیدار ہووے خود جسموں اتے سبھ کجھ خاک ملاوے
دیگر کون کہے میں ہاشم جیہڑا زور دکان چلاوے

1- ککارے: مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1963ء ص16
2- ایضاً ص48
3- ایضاً ص50
4- ہاشم شاہ: لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد 1979ء ص112

میاں محمد بخشؒ:

ایویں نام مجاز دا عشق حقانی گُل — بلبل دا دل ٹھگدا کر جلوہ وچ گُل
آدم جزو ہک اوسدا اوہ ہے آپے گُل — ایہہ اوکھی رمز محمدا کیونکر دساں کھُل
اِدھر اُدھر آپ ہے میں تُوں وچ نہ کار — آپے شیشہ آپ ہے شیشے سر جن ہار
آپے ظاہر ہوندا آپے پردہ دار — نہیں زبان محمدا دساں ایہہ اسرار (1)

مولوی غلام رسول عالپوریؒ:

زور و زور شہود تیرے دیاں میں دل چمکاں پیاں
جیوں جیوں میں تھیں صفتاں میریاں فانی ہوندیاں گئیاں (2)

○

اول آخر ظاہر باطن آپے سبھ کجھ جانے
جان بنے انجان اساں تھیں کار کرے من بھانے (3)

○

میرا رات دنے ورتارا نال اوسے دے سارا
میں بھی اوہ تے اوہ بھی اوہو پردہ اجے نیارا (4)

خواجہ غلام فریدؒ:

جگ وہم خیال تے خوابے — سب صورت نقش برآبے
جے پچھدیں حال حقیقت — سن سمجھ اتے رکھ عبرت
جیویں بحر محیط ہے وحدت — گُل کثرت شکل حبابے
نہیں اصلوں اصل دوئیدا — خود جان ہے نسل دوئیدا

1- میاں محمد بخش: سوہنی مہینوال؛ سراج دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور س ن ص 12
2- محمد عالم مرتبہ: ڈوہنگے ویہناں دا شاعر ''مولوی غلام رسول عالپوری'' ص 265
3- ایضاً ص 364
4- محمد عالم مرتبہ: ڈوہنگے ویہناں دا شاعر ''مولوی غلام رسول عالپوری'' ص 362

گیا پھونکا نکل دوئیدا　　دل اوہو آب دا آب اے[1]

○

ہر صورت وچ آوے یار　　کر کے ناز ادا لکھ وار
ہک جا روپ سنگار ڈکھاوے　　ہک جا عاشق بن بن جاوے
ہر مظہر وچ آپ سماوے　　اپنا آپ کرے دیدار[2]

○

ہر جا ذات پنل جی　　عاشق جان یقین
ہرصورت وچ یار دا جلوہ　　کیا اسمان زمین[3]

علامہ اقبالؒ:

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

حضرت نوشہ صاحبؒ کے بعد نظریہ وحدت الوجود ہر دور کے صوفیاء اور علماء کا محبوب عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

''پس کسیکہ قائل تبو حید وجودے باشد اُو را کافر گفتن و از نماز پسِ پشتِ اُو احتراز کردن ومنالحتِ با اُو نمودن و ذبیحۂ اونخوردن ہرگز روانیست۔ بلکہ آنہارا مسلمان و اہلسنت باید دانست۔[4]''

حاجی امداد اللہ:

''ظاہرہ میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔[5]''

1- خواجہ غلام فرید: کلیات خواجہ غلام فرید؛ مرتب محمد افضل خاں، کشتہ اینڈ سنز لاہور 1974ء ص 128
2- ایضاً ص 129
3- ایضاً ص 127
4- شاہ عبدالعزیز: فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ دہلی جلد اول، ص 52
5- حاجی امداد اللہ: ضیاء القلوب، کتب خانہ عزیزیہ دیوبند س ن، ص 29

بندہ قبل وجود خود، باطن خدا بود۔ خدا ظاہر بندہ کُنتُ کَنزًا مَخفیاً[1]

یعنی بندہ اپنے وجود میں آنے سے قبل خدا تھا۔ اور خدا ظاہر ہوکر بندہ ہے۔

کُنتُ کنزاً اس امر کی شہادت ہے۔ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

''جب ایک درخت کو خدائی کا دعویٰ اس بنا پر جائز ہے کہ وہ خدا کے نور سے منور ہوگیا تھا تو انسان جو قدرت الٰہی کا سب سے بڑا مظہر ہے ایک خاص مقام پر پہنچ کر کیوں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔[2]

مولانا اسمٰعیل دہلوی:

''خبردار اس معاملہ میں تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنّی انا اللہ رب العالمین صادر ہوئی تو پھر اشرفِ موجودات سے جو حضرتِ ذات (سبحانہ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے، اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔[3]

مولانا اشرف علی تھانویؒ:

''اِنّی اَنا رَبُّکَ کی آواز موسیٰ ؑ کے باطن کی تھی۔[4] مسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح مطابق الواقع ہے۔ اس مسئلے میں شک اور شبہ نہیں۔[5]

کتاب کے آخر میں نوشہ صاحبؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں حکمت اور دانائی

1- حاجی امداد اللہ: رسالہ بیان وحدۃ الوجود، کتب خانہ اشرفیہ دیوبند۔ س ن، ص6

2- مولانا شبلی نعمانی: سوانح مولانا روم، نولکشور 1909ء ص168

3- اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم اردو ترجمہ ہدایت اللہ اینڈ سنز کلکتہ 1238ھ ص15

4- اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق، مکتبہ اسلامیہ لاہور 1929ء ص73

5- ایضاً ص41

کے ایسے نایاب نقاط بیان فرمائے ہیں، جس کی مثال ان کے ہمعصر صوفیاء کے ہاں ملنا مشکل ہے۔ آپ کے فکر انگیز خیالات کا خلاصہ اختصار کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ نوشہ گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

1- فقیر کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے علم حاصل کرے۔ کیونکہ علم کمینے کو بہتر، بہتر کو سردار اور بیوقوف کو عقل مند بناتا ہے۔ نفع اسے کہتے ہیں جو انسان کے ساتھ رہے اور نقصان دہ ہے، جو ساتھ چھوڑ جائے۔ انسان کیساتھ رہنے والی شے صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہے جو علم کے بغیر نہیں آتی۔ علم کے حصول کے لیے حلم ناگزیر ہے۔ شاہانہ لباس، لذیذ کھانے اور زیادہ نیند چھوڑنے سے حلم جنم لیتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا جائے تو دل صاف شفاف آئینہ بن جاتا ہے اور دل کی صفائی میں ہی معرفت الٰہی ہے۔

2- سالک وہ ہے جو ظاہر داری نہ کرے، بلکہ باطنی نظر رکھتا ہو اور ہر صورت میں ربی جلوے دیکھے۔ اپنے آپ کو اپنی ذات میں گم کر دے تو پھر اس کی حقیقت کو وہی دیکھتا ہے، کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔

3- سدا کی زندگی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب بندہ دنیا کی طرف سے اپنے آپ کو نیست و نابود کر لے۔

4- عشق ایک آگ ہے جو شخص اس میں چھلانگ لگاتا ہے، وہ آگ بن جاتا ہے۔

5- صوفی وہ ہے جو ظاہر اور باطن کی صفائی رکھے۔ نفسانی خواہشات کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھے۔ نفس کو کچلے نیز دنیاوی عیش و عشرت کو اپنے اوپر حرام کر لے۔

6- مست اسے کہتے ہیں جو زندگی، موت، کفر، اسلام، دوست، دشمن سب کو برابر سمجھے اور انکی قید سے آزاد رہے۔

7- مسلمان وہ ہے جو رب کریم کے فرمان کے مطابق امر و نہی کی پیروی کرے

اور بال برابر بھی اس سے باہر نہ ہو۔ نیز خداوند کریم کے فرمان کے سامنے اپنی دلیل ختم کرے۔

-8 کافر اسے کہتے ہیں جس نے صراطِ مستقیم کو فراموش کر دیا ہو۔

-9 منافق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا نہیں۔

-10 دیوانہ وہ ہے جو اپنے حال میں اس قدر غرق ہو کہ لوگوں کے پند و نصائح سے کوئی غرض نہ رکھے۔

-11 انسان کی دائمی دولت صبر اور شکر ہے۔

-12 ایمان اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت، یعنی قبولیت کا نشان ہے۔

-13 آدمی وہ ہے جو خداوند کریم کی شناخت رکھتا ہے۔

-14 خدا کی پہچان دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ہمہ از وست اور ہمہ اوست

-15 دنیا کا سامان گمراہی ہے اور عاقبت کا سامان دل کی شکستگی ہے۔

-16 طلب کرو تو اللہ سے ہمیشہ اسکی معرفت طلب کرو۔

-17 زندگی، دعویٰ کے بغیر بسر کرو۔

-18 دنیا کے کارخانے میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہے۔ اس لیے والدین اور مساکین کی خدمت کرو۔ کیونکہ ان کی رضامندی اللہ کی رضامندی ہے۔

-19 بدی کرو تو صرف اپنے نفس کیساتھ

-20 نیک بخت کی پہچان یہ ہے کہ وہ علم کی طلب رکھنے والا، سخی اور ہنس مکھ ہوتا ہے۔

-21 سخی وہ ہے جس کے پاس جو کچھ ہو اُسے تقسیم کر دے۔

-22 سب سے برا کام سوال کرنا ہے۔

-23 سب سے بہتر کام، خدمت کرنا ہے۔

-24 گناہ کا علاج توبہ ہے۔

-25 بے اطاعت اور بے مروّت ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔

26- ناقص وہ ہے جو فقر کا لباس پہن کر دولت مند کے دروازے پر دستک دے۔
27- تھوڑا کھانا اور رات کو جاگنا دل کی روشنی ہے۔
28- فقیر کا لباس پردہ پوشی ہے۔
29- زبان، سچ بولنے اور حلال کھانے سے پاک ہوتی ہے۔
30- روح کی پاکیزگی بے ریائی ہے۔
31- لقمہ وہ لذیذ ہے جو دوسروں کو کھلا کر بچا ہوا خود کھایا جائے۔
32- دولت مند کے لیے نیک عمل سخاوت ہے۔
33- فقیر کی دولت توکّل اور صبر ہے۔
34- حیاء، اللہ کے خوف اور بُرے کاموں سے شرمندگی اور حشر کے حساب کتاب سے ڈرنے سے پیدا ہوتی ہے۔
35- جاہل آدمی ہمیشہ نفس کا غلام ہوتا ہے۔
36- بلند ہمت وہ ہے جس کو طمع اور لالچ نہ ہو۔
37- مرد وہ ہے جس کا ہر فعل اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔
38- آیا، وہ جو خلقت کو ہدایت دے گیا۔ گیا، وہ جسکی کوئی نیک یادگار نہ رہی اور رہا صرف وہ جسکی نیکی دنیا میں رہ گئی۔

مقصد یہ ہے کہ چہار بہار تصوف کا وہ بہترین خزانہ ہے، جس کے مطالعہ سے قاری نہ صرف نوشہ صاحبؒ کی علمی بصیرت کا قائل ہو جاتا ہے بلکہ یہ کتاب سالکین تصوف کے لیے بہترین رہنما ہے۔

(2) گنج الاسرار

اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پہلی اردو تصنیف ہے۔ اس کا صحیح سن تصنیف معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن زبان سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ 1050ھ سے 1060ھ/ 1640ء سے 1650ء کے زمانے کی تصنیف ہے۔

اس کا موضوع نہ تو مذہبی مسائل ہیں اور نہ ہی فقہ ہے۔ بلکہ اس میں سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے نوشاہی صوفیاء کے ذکر وفکر اور عبادت و ریاضت کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس تصنیف کے بہت سے قلمی نسخے نوشاہی درویشوں کے پاس موجود ہیں اور ان کے مختلف نام مشہور ہیں۔ کسی نے اس کا نام بیان اشغال [1] رکھا ہے۔ کسی نے گنج الاسرار [2]، کسی نے رمز العشق [3] کسی نے گیان لہر [4] کسی نے رمز العباد [5] کسی نے واحد نامہ [6] تو کسی نے کلام الملوک [7]۔ علاوہ ازیں بعض مخطوطوں میں اسکو وحدت نامہ، بیان تصوف، نسخہ طریقت اور راہ سلوک کے نام دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مختلف ناموں کی طرح ہر نسخے میں اشعار کی تعداد ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جیسے بیان اشغال میں اشعار کی تعداد 18، کلید گنج الاسرار میں 52، رمز العشق میں 57، گیان لہر میں 44، رمز العباد میں 44,87، واحد نامہ میں 36 اور کلام الملوک میں 29 ہے۔ بعض مقامات پر اشعار کی زبان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے مگر مفہوم یکساں ہے۔ ان تمام قلمی نسخوں سے استفادہ کرتے ہوئے شرافت نوشاہی صاحب نے 1964ء میں گنج الاسرار کا موجودہ نسخہ ترتیب دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے حاشیے میں اشعار، مصرعوں اور الفاظ کے اختلاف کو واضح کیا ہے۔ مرتب

1- شیخ گل محمد (م 1170ھ): بیان اشغال 1150ھ مخطوطہ مملوکہ شرافت نوشاہی، ساہنپال گجرات

2- خلیفہ محمد ابراہیم برقندازی: کلید گنج اسرار۔ قلمی 1274ھ (شرح گنج الاسرار) مملوکہ کتب خانہ صاحبزادہ امیر حسین، دربار سخی شاہ سلیمان نوریؒ بھلوال۔

3- مولوی علم لدین: رمز العشق 1280ھ (قلمی) چک بہلول ضلع گوجرانوالہ مملوکہ شرافت نوشاہی، ساہنپال

4- شیخ عمر بخش رسول نگری: آب حیاتی 1280ھ (قلمی) رسول نگر ضلع گوجرانوالہ۔ نظر محمد عباسی 1350ھ نہرانولہ ضلع ساہیوال

5- خواجہ عمر دین طالب چشتی نظامی: قرابادین چشتی؛ گڑھ شنکرس-ن

6- سائیں فتح علی خان: مجموعہ وظائف قادری نوشاہی راولپنڈی 1337ھ

7- مولوی مقبول محمد نوشاہی: سبیل سلبیل؛ امرتسر 1342ھ

نے آخر میں مکمل مثنوی کا منظوم فارسی ترجمہ بھی درج کیا ہے جو قابل تحسین ہے۔

سلسلہ نوشاہیہ کی بنیادی کتب رسالہ الاعجاز، ثواقب الماقب، تذکرہ نوشاہی، تحائف قدسیہ اور کنز الرحمت وغیرہ میں نوشہ صاحبؒ کی کسی تصنیف کا حوالہ نہیں ملتا۔ جس سے خورشید احمد خاں صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گنج الاسرار نوشہ صاحبؒ کا کلام نہیں۔[1] ان کے نزدیک یہ کلام کسی غلام محی الدین میر پوری کا ہے۔[2] اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود ایک قلمی نسخے کا حوالہ بھی دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مثنوی غلام محی الدین میر پوری کی تصنیف ہے۔[3] جس میں مطبوعہ گنج الاسرار کے ساٹھ اشعار موجود ہیں۔[4]

ہمارے خیال میں مطبوعہ گنج الاسرار کے کچھ اشعار کا غلام محی الدین میر پوری کی مثنوی میں شامل ہونے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ گنج الاسرار حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام نہیں ہے۔ یا پھر یہ کلام غلام محی الدین کی تخلیق ہے جسے نوشہ صاحبؒ کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ خورشید احمد خان کے اپنے ہی مضمون میں سے بعض ایسے حوالے ملتے ہیں جو نہ صرف ان کے اس دعویٰ کا جواب ہو سکتے ہیں بلکہ نہایت دلچسپ بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مثنوی کے مفصل مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل مرتب (شرافت نوشاہی) نے صرف ان نسخوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض ایسے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں جو ان میں سے کسی نسخے میں بھی نہیں۔ پھر

1- خورشید احمد خاں (مضمون حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے منسوب اردو شاعری کی اصل حقیقت) اورینٹل کالج میگزین صد سالہ نمبر 1982ء لاہور ص 3

2- ایضاً ص 5

3- ایضاً

4- ایضاً ص 6

فاضل مرتب نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ آیا مندرجہ بالا تمام کتب قلمی نسخوں کی شکل میں ہیں یا مطبوعہ ، اگر قلمی نسخے ہیں تو کہاں ہیں؟ بہرحال نسخہ ''و'' (گلزار نوشاہی) تو مطبوعہ شکل میں ہے۔ اس میں کسی ماخذ کی نشاندہی کے بغیر 44 اشعار حضرت نوشہؒ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ جن دو نسخوں کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے نسخہ الف (لطائف گل شاہی) کا مخطوطہ ہم نہیں دیکھ سکے، البتہ اس کا ایک مبینہ مبیضہ چند لمحوں کے لیے دیکھنے کو مل گیا تھا۔ اس میں اٹھارہ اشعار تو درج ہیں۔ مگر شاعر کا نام کہیں نہیں لکھا گیا..... آخری شعر بھی جس میں تخلص استعمال ہوا ہے اس بیاض میں نہیں ہے۔ البتہ شرافت صاحب نے خود اپنے قلم سے وہاں فارسی میں ایک نوٹ لکھا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ اشعار حضرت نوشہ گنج بخش کے ہیں۔ ظاہر ہے اس شکل میں یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ نسخہ الف کے اٹھارہ شعر حضرت نوشہ ہی کے ہیں۔ بقایا نسخوں تک ہمارے رسائی نہیں ہوئی۔ مگر چار نسخوں میں (جن میں اصل نسخہ) بھی شامل ہے۔ کوئی بھی چالیس سال سے پرانا نہیں۔''[1]

ایک طرف تو خورشید احمد خان یہ اقرار کرتے ہیں کہ شرافت نوشاہی صاحب نے جن نسخوں کی مدد سے گنج الاسرار کا مطبوعہ نسخہ مرتب کیا ہے، ان میں سے صرف ایک نسخہ کے علاوہ باقی کے تمام نسخوں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ ہی انہیں معلوم ہوا ہے کہ باقی نسخے قلمی ہیں یا مطبوعہ۔ دوسری طرف وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں ''کہ فاضل مرتب (شرافت نوشاہی) نے صرف ان نسخوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں جو ان میں سے کسی نسخے میں بھی نہیں۔''

1- اورئنٹل کالج میگزرین۔ مذکور ص 4

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خورشید احمد خان کی رسائی ان نسخوں تک نہیں ہوسکی تو انہوں نے یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کیا کہ مطبوعہ گنج الاسرار کے اشعار مذکورہ نسخوں میں موجود نہیں۔

اگر خورشید احمد خان ذرا سی تحقیق اور جستجو سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ نسخہ الف لطائف گل شاہی اور نسخہ ب مکتوبہ مولوی علم الدین بہلولی کے علاوہ باقی کی سب کتب مطبوعہ ہیں۔ جیسے:

1- زمزمہ نوشاہی مرتبہ پیر نواب علی، سجادہ نشین دربار پیر محمد سچیارؒ، نوشہرہ میانہ گجرات اسٹیم پریس لاہور، 1333ھ/ 1914ء

2- مجموعہ وظائف قادری نوشاہی: مرتبہ پیر صالح شاہ ، دین محمد پریس لاہور 1340ھ/ 1921ء

3- سبیل سلبیل مرتبہ مقبول محمد: روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر 1342ھ/ 1923ء

4- کشکول نوشاہی: مطبوعہ سٹیم پریس لاہور 1350ھ/ 1931ء

5- گلزار نوشاہی مرتبہ شیخ محمد حیات شرقپوری، لاہور 1344ھ/ 1925ء

ان تمام کتب میں وہ تمام اشعار موجود ہیں جو گنج الاسرار کے مطبوعہ نسخہ میں درج ہیں۔ ان کتب کی اشاعت کے سنین دیکھ کر خورشید احمد خان صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ ان نسخوں میں کوئی نسخہ بھی چالیس سال سے پرانا نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تصویر کا ایک ہی رخ سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے حافظ محمود شیرانی صاحب کا صرف یہی قول:

> ”دہلی میں اردو ادبستان ابھی قائم بھی نہیں ہو چکتا کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں لکھنی شروع کر دیتے ہیں۔ میر پور (کشمیر) کے شیخ غلام محی الدین تصوف میں مثنوی گلزار فقر 1131ھ میں ختم

کرتے ہیں۔"[1]

سامنے رکھ کر فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ مثنوی نوشہ صاحب کی تخلیق نہیں بلکہ غلام محی الدین میر پوری کی ہے، اور ساتھ ہی مثنوی کی زبان کے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "اسکی زبان بارہویں صدی ہجری کی زبان معلوم ہوتی ہے۔[2]" جبکہ جمیل جالبی صاحب نے خود نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری متعین کیا ہے:

> گیارہویں صدی ہجری میں ہمیں مثنوی، غزل اور مخمس بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ ہم واضح طور پر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ فارسی تہذیب ہندوی تہذیب پر غالب آ گئی ہے۔ اب ہندوی اصناف سخن اور بحور ٹکسال باہر ہو رہے ہیں۔ اور فارسی اصناف و بحور ان کی جگہ لے رہے ہیں۔ حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار، شاہ مراد خانپوری اور رحمان بابا کا کلام اور عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی کی غزلیں اسی تہذیبی اثر کی واضح مثالیں ہیں۔"[3]

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ مثنوی غلام محی الدین میر پوری کی تخلیق ہے (جیسے خورشید احمد خان نے دعویٰ کیا ہے) جو بقول حافظ محمود خان شیرانی 1131ھ کی تصنیف ہے تو خورشید احمد خان کا اپنا یہ بیان "کہ اس مثنوی کی زبان تین چار سو سال پرانی معلوم نہیں ہوتی۔[4]" اپنے آپ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق نوشہ صاحب کی ولادت 1014ھ/ 1605ء اور

1- مقالات محمود شیرانی مجلس ترقی اُردو لاہور 1966ء ج 2 ص 128

2- اورینٹل کالج میگزین مذکور ص 4

3- جمیل جالبی ڈاکٹر: پاکستان کی قدیم اردو شاعری لاہور 1976ء [نصاب ایم-اے اردو میں شامل] ص 12 , 13

4- اورینٹل کالج میگزین مذکور ص 4

وفات 1103ھ/ 1682ء میں ہوئی۔نوشہ صاحبؒ نے اس میں اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کا ذکر کیا ہے کہ ان کی برکت سے میں صحیح معنوں میں انسان بنا اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔آپ فرماتے ہیں کہ:

مجھکوں مرشد شاہ سلیمان
بن مانس سے مانس کیناں (1)

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ مثنوی اپنے مرشد سے خلافت پانے اور سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد 1050ھ تا 1060ھ کے درمیان لکھی۔ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے گنج الاسرار کی تصنیف کا دور گیارہویں صدی ہجری بالکل صحیح متعین کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا کوئی ایسا قلمی نسخہ ہمارے ہاتھ نہیں آیا جو 1131ھ سے پہلے کے زمانے کا کتابت شدہ ہو۔اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ دریائے چناب کے سیلاب کی وجہ سے نوشہ صاحبؒ کا مزار تیسری جگہ بنایا گیا۔ یہ سارا علاقہ تین مرتبہ دریا کے سیلاب کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔جسکے سبب قلمی نسخے دریا کی نذر ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بسیار کوشش کے باوجود نوشہ صاحبؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی بھی قلمی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔مگر ان کا کلام تقریباً تین ساڑھے تین سو سال سے نوشاہی بزرگوں کو زبانی یاد ہے جو نسل در نسل سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔اگر یہ کلام نوشہ صاحبؒ کا نہ ہوتا تو نوشاہی بزرگ نسل در نسل اسے یاد نہ رکھتے۔قادری سلسلے کی کسی اور شاخ کے بزرگوں کے ہاں یہ کلام بطور وظیفہ موجود نہیں۔صرف نوشاہی بزرگوں نے اسے وظیفہ سمجھ کر اپنے ذکر و فکر کے لیے اپنایا ہوا ہے اور گذشتہ ساڑے تین سو سالوں کے طویل عرصے میں کسی نوشاہی بزرگ نے اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ وہ دل و جان سے اسے حضرت نوشہ صاحبؒ کا کلام سمجھتے ہیں اور اس کی روحانی برکات سے فیضیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

1- نوشہ گنج بخشؒ: گنج الاسرار ساہنپال گجرات 1964ء ص 40

جہاں تک قلمی نسخوں کی دستیابی کا تعلق ہے ہمیں بسیار تلاش کے باوجود حضرت نوشہ صاحبؒ کے مزار کے ارد گرد کے کسی ایک بھی گاؤں سے کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ برق نوشاہی صاحب نے ایک ملاقات میں بتایا کہ انہوں نے قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل موجودہ آزاد کشمیر کے ایک گاؤں چومک میں 1107ھ کا ایک مخطوطہ ایک ذاتی کتب خانے میں دیکھا تھا۔ جس میں یہی اشعار نوشہ صاحبؒ کے نام سے لکھے ہوئے تھے۔ جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار غلام محی الدین میر پوری کی گلزار فقر سے پہلے موجود تھی۔

میر پور کے گاؤں چومک کے کتب خانے میں مثنوی گنج الاسرار کی موجودگی اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ میر پور کے علاقے میں 1103ھ تک نوشاہی سلسلے کا خاصا اثر قائم ہو چکا تھا۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے خلیفہ سید عبداللہؒ چومکی نوشہ صاحبؒ کے ارشاد کی تعمیل میں اس علاقے کے لوگوں کی روحانی تربیت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کا مزار اب بھی موضع چومک [1] (میر پور) میں موجود ہے۔ اسی زمانے میں ان کے ایک ساتھی اور حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے خلیفہ حافظ طاہر کشمیری مقبوضہ کشمیر کے علاقہ ''سیاکھ'' میں نوشاہی سلسلے کی تبلیغ کر رہے تھے۔ لہٰذا نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار کی اس علاقے میں موجودگی کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ آزاد کشمیر کے کتب خانہ میں اس مثنوی کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلام محی الدین میر پوری نے نوشہ صاحبؒ کی مثنوی پڑھی یا سنی ہوگی۔ پھر اسکے تتبع میں خود مثنوی لکھی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی مثنوی سے اثر قبول کرتے ہوئے ان کے کئی اشعار اپنی مثنوی میں شامل کر لیئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ غلام محی الدین کے کئی ایک اشعار نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار سے ملتے جلتے ہیں۔ گو کہ دونوں مثنویوں میں بہت سے اشعار مشترک ہیں۔ لیکن اس کے

1- پہلے چومک میر پور سے صرف دس میل دور تھا۔ پھر یہ گاؤں منگلا ڈیم میں آ گیا۔ اب یہ گاؤں میر پور سے 40 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ پرانا میر پور تھا نئے میر پور سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔

باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار کے جتنے زیادہ نسخے نوشاہی سلسلہ کے بزرگوں کے پاس مخطوطوں کی صورت میں موجود ہیں وہ غلام محی الدین کی مثنوی کے نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں نوشاہی سلسلہ کے اکثر بزرگوں کو یہ مثنوی حفظ ہے۔

جہاں تک ایک شاعر کے کلام کا دوسرے شاعر کے کلام میں مل جانے کا تعلق ہے۔ یا کسی شاعر کا کلام کوئی اور شاعر اپنے نام سے منسوب کر لیتا ہے ادب میں اس قسم کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ کوئی ادیب یا شاعر اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ پرانے زمانے میں مختلف کتب کے حوالے دینے کا رواج آج کی طرح نہیں تھا اور نہ ہی (قومے) ڈال کر ظاہر کیا جاتا تھا کہ تحریر کسی اور کی ہے۔ وہ نثر کے لیے صرف ''نقل است'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جس سے قطعاً واضح نہیں ہوتا تھا کہ یہ عبارت کسی تحریر سے حوالہ کے طور پر نقل کی گئی ہے، یا پھر کسی زبانی روایت کو تحریر میں شامل کیا گیا ہے۔ بے شمار پرانے مخطوطوں میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اچھے شعر یا نثر پارے کے حصوں کو اپنی تحریر کا حصہ بنالینا معیوب خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

پنجاب اور پنجابی زبان کے قابل فخر شاعر وارث شاہؒ کے عظیم مرتبے اور اعلیٰ شاعری سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اس کے قصہ ہیر رانجھا کو کسی بھی زبان کے ادب عالیہ کے مقابل رکھا جاسکتا ہے۔ اگر ہم بنظر غایئر قصہ ہیر رانجھا کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ اس میں بہت سے مصرعے اور اشعار مقبل کی ہیر سے لیے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض مصرعوں اور اشعار میں معمولی سی تبدیلی کرکے اپنا لیا ہے۔ بعض کو ویسے ہی اپنے کلام کا حصہ بنا لیا ہے اور کہیں بھی حوالہ نہیں دیا۔ جبکہ مقبل، وارث شاہ سے پہلے کا شاعر ہے۔ لیکن آج ہر کوئی ان اشعار کو وارث شاہ کے ذہن کی تخلیق سمجھتا ہے۔ مقبل کے قصہ ہیر رانجھا اور وارث شاہ کے قصہ ہیر رانجھا کا موازنہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ مقبل نے وارث شاہ سے قبل قصہ ہیر رانجھا لکھا تھا۔ اس لیے وارث شاہ نے اس کے اشعار سے

نہ صرف استفادہ کیا بلکہ بحر بھی وہی استعمال کی ہے۔ وارث شاہ کے کلام میں مقبل کے بہت سے مصرعے اور اشعار دیکھ کر کیا ہم وارث شاہ کے قصہ ہیر رانجھا کو مقبل کی تصنیف کہہ سکتے ہیں؟ کوئی بھی محقق یا نقاد اس سوال کا جواب ہاں میں نہیں دے سکتا۔ (1) ہمارے خیال میں یہی حال نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار اور غلام محی الدین کی گلزار فقر کا ہے۔ جب ایسی صورتحال سامنے ہو تو پھر ہم ان اشعار کو عام طور پر اس شاعر کی تخلیق قرار دیتے ہیں جس کی تصنیف قدیم ہوتی ہے، اور اس بنیاد پر انکار نہیں کرتے کہ کوئی قدیم مخطوطہ دستیاب نہیں۔ اگر فیصلہ مخطوطوں پر ہی کیا جاتا ہے تو ہم اپنی ان بیشمار مذہبی کتب کو کس حساب میں ڈالیں گے جو مخطوطوں کے ذریعے نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچتی ہیں۔ اس ضمن میں ہزاروں احادیث کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم اپنے ادب کا جائزہ لیں تو بابا فریدؒ، شاہ حسینؒ، سلطان باہوؒ، وارث شاہؒ اور بلھے شاہؒ کے کلام کا کوئی ایسا قلمی نسخہ دستیاب نہیں جو ان کے اپنے ہاتھوں کی تحریر ہو جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ واقعی ان کا کلام ہے۔

پنجابی زبان کے دوسرے عظیم صوفی شاعر شاہ حسینؒ کے کلام میں نہ تو ان کی رندانہ زندگی کا عکس دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی ان کے محبوب دوست مادھو لال کا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ شاہ حسینؒ کے کسی ایک شعر میں بھی مادھو لال کا نام تک نہیں آیا۔ اس کے باوجود ہم صدیوں سے ان تمام بزرگوں کو صوفی شاعر تسلیم کرتے آ رہے ہیں، اور ان کے عارفانہ کلام کے ذریعے لوگوں کو روحانی سکون ملتا رہا ہے۔ کیا ہم ان بزرگ صوفی شعرا کے کلام کے معتبر قلمی نسخے دستیاب نہ ہونے کے باعث ان کے کلام کو ماننے سے انکار کر سکتے ہیں؟ کوئی بھی سنجیدہ محقق یا نقاد اس کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔ جبکہ گنج الاسرار حضرت نوشہ صاحبؒ کی تصنیف ہونے کے واضح اشارے گنج الاسرار کے اشعار میں موجود ہیں۔ حضرت نوشہ صاحبؒ گنج الاسرار میں اپنے مرشد کا ذکر ان الفاظ میں کرتے

1- ہیر مقبل؛ (دیباچہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1967

ہیں:

مجھ کوں مرشد شاہ سلیمان　　بن مانس سیں مانس کیناں
دھن دھن بھاگ میں مرشد پایا　　سروپ روپ جس منہ وکھایا
سنگت گورسیں میں بلہاری　　بھرم دوئی کا مارن ہاری
ستگُور پورے راہ بتایا　　تاں میں بھیت محبت پایا
لب سیں یار کی میں مدھ پیتا　　خمار اس کے نے بیخود کیتا (1)

ان اشعار میں نوشہ صاحبؒ نے اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کا ذکر کیا ہے۔آخری شعر کے دوسرے مصرع ''خمار اس کے نے بیخود کیتا'' میں اس واقع کی طرف اشارہ موجود ہے جب آپ سخی شاہ سلیمانؒ کی خدمت میں بیعت اختیار کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے تو ان کی ایک ہی نظر کیمیا اثر نے نوشہ صاحبؒ کو اس قدر بے خود اور مدہوش بنا دیا تھا کہ تین ماہ تک ایک ہی کروٹ لیٹے رہے۔ (2) چنانچہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ان کی ذاتی زندگی کے واقعات کے حوالے موجود ہیں۔ جو ان کا کلام ہونے کی شہادت ہے۔

گنج الاسرار کے مطالعے کے بعد خورشید احمد خان کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ان اشعار میں ربط نہیں ہے۔ حالانکہ ان اشعار میں نہ صرف پورا پورا منطقی ربط موجود ہے، بلکہ فنی اعتبار سے بھی وزن اور بحر پر پورے اترتے ہیں جبکہ گلزارِ فقر کے بہت سے اشعار وزن اور بحر سے خارج ہیں۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ غلام محی الدین میر پوری کوئی اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں تھا۔ اس نے صرف اپنی روحانی تسکین کی خاطر حضرت نوشہ صاحبؒ کے صوفیانہ کلام کے تتبع میں مثنوی گلزار فقر لکھی۔ اگر وہ کوئی بلند درجہ شاعر ہوتا تو اس کے مصرعوں میں فنی سقم نہ ہوتا۔ جبکہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ایسا

1- گنج الاسرار ص 40
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 103

کوئی فنی سقم دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں گنج الاسرار اور گلزار فقر کے چند اشعار کا موزانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان اشعار کو خورشید احمد خان صاحبؒ نے بھی اپنے مضمون میں نقل کیا ہے:

شعر نمبر	گنج الاسرار	شعر نمبر	گلزار فقر
-1	جس ذات کا اللہ ناؤں اس کا تجھے بتاؤں تھاؤں	-3	جس ذات کا اللہ ہے ناؤں تس کا مجھے بتاؤ تھاؤں
-2	کم ایک سے تین ہزار اتنے نام دھرے کرتار	-31	کم ایک سوں اور تین ہزار ایتے نام دھرے کرتار
-6	وحدت نوں توں کر تحقیق اس کوں من سو کر تصدیق	-243	غیر نہی کر تحقیق اس کوں من سوں کر تصدیق
-7	ایس مکان کوں پہنچن مشکل سخت راہ ہے دور ہے منزل	-244	پر اس مقام کوں پہنچن مشکل سخت ہے راہ دور ہے منزل
-11	طاعت اوہ جو پیر فرماوے اپنا کیا کجھ کام نہ آوے	-248	پیر طاعت وہ جو پیر فرمائے اپنا کیا کجھ کام نہ آوے

یہاں ہم نے چند اشعار کا موازنہ پیش کیا ہے۔ ان کے علاوہ مثنوی گلزار فقر میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو نہ صرف وزن اور بحر سے خارج ہیں بلکہ ایسے اشعار کے سبب مثنوی میں ربط اور تسلسل کا فقدان ہے۔ اس کے مقابلے میں مثنوی گنج الاسرار کے اشعار سے صاف عیاں ہے کہ یہ اشعار کسی پختہ ذہن اور فن پر عبور رکھنے والے شاعر کے ذہن کی تخلیق ہیں۔

غلام محی الدین میر پوری سے متعلق نہ تو کوئی معلومات دستیاب ہیں اور نہ ہی اس غیر معیاری مثنوی کے علاوہ اُس کا اور کوئی کلام ملتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نوشہ گنج بخشؒ ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جن کے حالات زندگی مختلف کتب میں موجود ہیں بلکہ ان کی شاعری

اورنثر نگاری کے حوالے بھی ملتے ہیں۔نوشہ گنج بخشؒ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ''چہار بہار'' بڑی اہمیت رکھتی ہے جسے پنجابی زبان کے مشہور شاعر ہاشم شاہ نے مرتب کیا ہے۔آج تک کسی نے ان ملفوظات سے انکارنہیں کیا۔گنج الاسرار کے بنظر غائر مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس مثنوی کے بہت سے اشعار نوشہ صاحبؒ کے ملفوظات سے فکری ربط رکھتے ہیں۔ یہاں کچھ حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔حضرت پیر محمد سچیارؒ نے اپنے مرشد حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے سوال کیا۔

سوال: ذاتِ مولا چگونہ بیند؟[1]

جواب (نوشہ صاحبؒ): خود را چوں در خود گم کند

سوال: خود را در خود چگونہ گم کند؟[2]

جواب (نوشہ صاحبؒ): خاموش باش، ہر کہ گم شود او میداند

اب یہی مضمون گنج الاسرار میں ملاحظہ ہو:

گم کر اپنا آپ اے غافل — جے ہونا ہے حق کا واصل

اس سیں ظاہر کیونکر کہیے — سِر چھپے تو عارف رہیئے

سَر جاوے پر سِر نہ جاوے — تو یہ سَر سِر کُوں پاوے[3]

سوال: حیات جاوید چگونہ باید؟[4]

جواب (نوشہ صاحبؒ): چوں نیست شود

گنج الاسرار کے یہ اشعار اسی فکر کو یوں پیش کرتے ہیں:

لَا اِلٰـہَ اِلاّ اللّٰـہ سادھے — من سوں اس دم سب کجھ چھاڈے

ایسی ضرب اللہ کی لاوے — جو خطرہ ہے سبھ جھڑ جاوے

1- چہار بہار (مرتبہ) شرافت نوشاہی ص128

2- ایضاً ص129

3- گنج الاسرار (مرتبہ) شرافت نوشاہی ص39

4- چہار بہار ص129

لَا اِلٰـــــــہ کی پکڑ بھاری گرو دھند سب دور اتاری
الـــلّٰـــہ الـــلّٰـــہ اتنا کہے آپ نہ رہے تے اللہ رہے [1]

سوال: ازمعرفت چہ پیدا شود؟
جواب (نوشہ صاحبؒ): آ نکہ درگفتن ونوشتن وفہمیدن نمے آید۔ [2]

اب گنج الاسرار کا یہ شعر دیکھیے:

پُرسش اسکی پیر سوں پاوے جو لکھنے موں رسم نہ آوے [3]

مثنوی گنج الاسرار میں نوشہ صاحبؒ کے مرشد کا ذکر اور آپ کے اشعار کا آپ کے حالات وملفوظات سے گہرا فکری ربط اس بات کا بین ثبوت ہے کہ گنج الاسرار کے مصنف حضرت نوشہ گنج بخش ہی ہیں۔

گنج الاسرار کی ادبی اہمیت

قدیم اردو ادب کے حوالے سے گنج الاسرار کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ قدیم اردو شاعری میں اس کا مقام متعین کرنے کے لیے نوشہ صاحبؒ کے دور کی اردو شاعری خصوصاً مثنوی نگاری کا سیاسی، سماجی اور تاریخی پس منظر میں جائزہ لینا ہوگا۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد بیجا پور، گولکنڈہ اور احمد نگر میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وجود میں آنے سے دکنی زبان یعنی اردو کو خاص ترقی حاصل ہوئی۔ قطب شاہی حکمرانوں کے ہندو خاندانوں میں شادیاں کرنے اور عام میل جول رکھنے کے نتیجے میں مقامی زبانوں کے اردو پر گہرے اثرات مرتب ہوئے، جس سے اردو کا جدید روپ تیزی سے نکھرنے لگا۔ نیز گولکنڈہ اور بیجا پور کے حاکم خود بھی شعر وشاعری کے دلدادہ

1- گنج الاسرار ص38
2- چہار بہار ص128
3- گنج الاسرار ص 33

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں غواصی ، ملاقطبی ،ابن نشاطی،جنیدی ،طبعی ، فائز ،شاہی ، مرزا ،شعور، بیچارہ، طالب اور مومن جیسے شعراء کا گروہ گولکنڈہ کے شاہی دربار میں دکھائی دیتا ہے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ اپنے والد ابراہیم قطب شاہ کی وفات کے بعد بارہ برس کی عمر میں 1581ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے 1587ء میں بیجا پور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کے ساتھ صلح کر لی۔قلی قطب شاہ خود شاعر تھا اور شاعروں اور علماء کا قدر دان تھا۔ وہ اثناء عشری عقیدے کا قائل تھا۔ چنانچہ اس کے دور میں مرثیہ کو زیادہ رواج ملا۔ وہ خود شعر کہتا ، فارسی میں قطب شاہ اور اردو میں معانی تخلص کرتا تھا۔ اس کے اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل دیوان میں مثنوی ،قصیدہ ، ترجیع بند اور رباعی ملتی ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب اصناف اس دور میں عام مقبول تھیں۔قُلی قطب شاہ کی شاعری میں قدرتی مناظر ،عاشقانہ رنگ اور تصوف کے مضامین ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقامی ثقافتی حوالے بھی موجود ہیں۔ بقول رام بابو سکسینہ،قُلی قطب شاہ سے پہلے بھی مذہبی مثنویاں موجود تھیں مگر ان کو کسی اعتبار سے ادبی درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ [1] ولی دکنی کے کلام میں فارسی تشبیہات، استعارے اور ہندی تراکیب کے علاوہ پنجابی زبان کے الفاظ ،تراکیب اور محاورات کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ اس کے کلام پر پنجابی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

1611ء تا 1625ء قلی قطب شاہ کے داماد و جانشین سلطان محمد قطب شاہ کی زبان میں بہت زیادہ نکھار نظر آتا ہے۔ اس کے بیٹے سلطان عبداللہ قطب شاہ نے (1625ء سے 1674ء تک)اردو شاعری کی بہت خدمت کی۔اگرچہ وہ شہنشاہ شاہ جہاں کا باجگذار تھا لیکن شعرا اور علماء کی ایک بڑی تعداد ہر وقت اس کے دربار میں حاضر رہتی تھی۔ وہ خود بھی شاعر تھا۔ اسکی اپنی شاعری میں عشقیہ رنگ گہرا ہے۔ وہ غزل کا عمدہ شاعر تھا۔مگر اسکی غزل میں تصوف کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔اس دور میں روائتی قصہ گوئی

1- رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، پنجاب پریس لاہور 1929ء ص 97

کا رواج مثنوی کے روپ میں نمایاں تھا۔ چنانچہ ابن نشاطی کی مثنوی پھول بن، غواصی کی مثنوی ''سیف الملوک''، طوطی نامہ تصنیف 1639ء جنیدی کی مثنوی ''ماہ پیکر'' تصنیف 1064ھ/ 1653ء، طبعی کی مثنوی ''بہرام و گل اندام'' تصنیف 1670ء تحسین الدین کی مثنوی ''قصہ کامروپ''، فائز کی مثنوی ''قصہ رضوان شاہ'' اردو ادب میں بہت مشہور ہیں۔

گولکنڈہ کے بادشاہوں کی طرح بیجاپور کے حاکم بھی علم وفن کے بہت دلدادہ تھے۔ فارسی کے مشہور شاعر ظہوری (وفات 1616ء) کی سرپرستی کا فخر ابراہیم عادل شاہ کی بادشاہت کو حاصل ہے۔ ابراہیم عادل شاہ کو شاعری کے ساتھ ساتھ فن موسیقی سے بھی شغف تھا۔ اس نے ہندی نظم میں ایک کتاب دھرپد کے نام سے موسیقی کے اسرارورموز سے متعلق لکھی تھی۔ علی عادل شاہ کے دور حکومت میں نصرتی (وفات 1683ء) کو مثنوی علی نامہ کی تصنیف پر ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا۔ اس نے تین مثنویاں علی نامہ 1665ء، گلشن عشق 1667ء اور گلدستہ عشق 1670ء میں لکھیں۔

اس دور میں چند ایک مذہبی انداز کی مثنویاں بھی لکھی گئیں۔ ان میں سے سید میراں ہاشمی کی چھ ہزار سے زائد اشعار کی مثنوی یوسف زلیخا 1687ء، علی عادل شاہ کے ہم عصر شاہ ملک کا رسالہ احکام الصلوٰۃ، شاہ امین (وفات 1674ء) کے دو رسالے قُربیہ اور وجودیہ اور قاضی محمود بحری کی مثنوی من لگن 1700ء قابل ذکر ہیں۔ ان تمام تصنیفات کا موضوع تصوف ہے۔ اس دور میں اردو مثنوی نے بے حد ترقی کی اور ارتقائی منازل طے کیں۔ یہاں تک عشقیہ مضامین کے دائرہ سے نکل کر مذہب وتصوف کی وسعتوں کو چھونے لگی۔

اسی دور میں ولی دکنی (ولادت 1079ھ/ 1668ء) کی غزل کی روشنی پھیلنے لگی۔ اس نے غزل کو نیا روپ عطا کیا۔ اگر ہم اس کے ساتھ ساتھ شمالی ہندوستان کی مثنوی نگاری کا جائزہ لیتے چلیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ڈاکٹر عبدالحق کی تحقیق کے